AL-JAMEI Research Journal
ISSN (Print) 3006-4775 (Online) 3006-4783

https://aljamei.com/index.php/ajrj

Introduction and evolution of Tafseer al Mathur a research review

تفسیر بالماثور کا تعارف وارتقاءایک تحقیقی جائزہ

Muhammad Abdullah Rehan
Lecturer government associate college hujra shah Muqeem okara
marjhujhmarjhujh@gmail.com
Dr. Muhammad Husnain
Assistant professor, Division of Science and Technology, University of Education, Township Campus, Lahore
muhammad.husnain@ue.edu.pk
Shoaib Ahmad
Ph.D. Scholar, Dept of Islamic Studies, Division of Islamic & Oriental Learning, University of Education, Lower Mall Campus, Lahore.
ORCID ID: 0009-0001-7987-6456 ،shoaibahmadjhuj@gmail.com

Abstract

Tafseer bil-Ma'thoor is an interpretation of the Qur'an that is based on the sayings, actions, and interpretations of the Companions and Tabi‘un. It utilizes direct Prophetic Hadith, the statements of the Companions, and other authentic sources from their time to explain the meanings of the Qur'anic verses. The aim of Tafseer bil-Ma'thoor is to provide the original and correct explanation of the Qur'an, so that the meaning of its verses reflects what was understood by Prophet Muhammad (PBUH) and his Companions. During its evolution, in the early period, the interpretation of the Qur'an was mostly oral by the Companions and Tabi‘un. However, later on, these interpretations were compiled in written form. Scholars made extensive use of Mathur narrations in explaining the Qur'anic verses, and its influence is clearly seen in several famous exegeses, such as Tafseer ibn Jarir al-Tabari, Tafseer ibn Abi Hatim, and Tafseer ibn Kathir. This type of interpretation helps scholars to accurately understand the words and meanings of the Qur'an and is recognized as an important branch of Islamic knowledge.

Key words: *Muhammad, Companion, verses, Qur'an, Islamic knowledge, influence.*

تمہید

تفسیر بالماثور ایک ایسی تفسیر ہے جو قرآن مجید کی تشریح اور تفصیل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اور تابعین کے اقوال، آثار اور ان کے عملی تفسیرات پر مبنی ہوتی ہے۔ اس میں قرآن کی تفسیر کے لیے براہ راست نبوی حدیث، صحابہ کے اقوال، اور ان کے دور کے

دوسرے مستند و معتبر ذرائع کو استعمال کیا جاتا ہے۔ تفسیر بالماثور کا مقصد قرآن کی اصل اور صحیح تشریح پیش کرنا ہوتا ہے تاکہ قرآن کی آیات کا مفہوم وہی ہو جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابہ نے سمجھا۔

ارتقاء کے دوران، ابتدائی دور میں صحابہ اور تابعین کی جانب سے قرآن کی تفسیر زیادہ تر زبانی تھی، لیکن بعد ازاں، اس کو تحریری شکل میں جمع کیا گیا۔ مفسرین نے قرآن کی آیات کی تفسیر میں ماثور روایات کا وسیع استعمال کیا، اور اس کا اثر کئی مشہور تفاسیر جیسے تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن کثیر میں واضح نظر آتا ہے۔

یہ تفسیر مفسرین کو قرآن کے الفاظ اور مفاہیم کی درست تفہیم فراہم کرنے میں مدد دیتی ہے اور اسے اسلامی علم کی ایک اہم شاخ کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔

تفسیر بالماثور کا لغوی معنٰی و مفہوم

(1) عربی زبان میں ''نشان'' کو '' أَثَر'' کہتے ہیں۔

(2) نشان راہ اور علامات کو ''آثار'' کہتے ہیں۔

(3) باقی ماندہ چیز کے لیے بھی '' أَثَرَ'' مستعمل ہے۔

(4) کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کو '' جَآءَفِيْ أَثَرِہٖ''[1] سے تعبیر کرتے ہیں۔

(5) اسلاف سے منقول شدہ حکم کو '' أَثَرَۃُ الْعِلْم'' اور '' أَثَارَۃُ الْعِلْم''[2] کہا جاتا ہے۔

(6) اسلاف کے ورثے، ان سے مروی خبر اور جاری سنت کو بھی '' أَثَرَ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔[3]

اسی لفظ سے '' مَاثُور'' بطور اسم مفعول مشتق ہے جو اپنے استعمالات کے لحاظ سے متعین علامت، نشان راہ، متوارث علم اور منقول خبر کا مفہوم دیتا ہے۔ گویا لغوی مفہوم کے لحاظ سے بھی تفسیر بالماثور وہی تفسیر ہے جو منقول ہو، متوارث ہو اور انہی راہوں پر ہو جن پر اسلاف نشان چھوڑ گئے ہیں یا جنہیں وہ متعین کر گئے ہیں۔

تفسیر بالماثور کی اصطلاحی مفہوم

اصطلاحی طور پر تفسیر بالماثور سے کیا مراد ہے؟ کیا اس کا اطلاق صرف مرفوع تفسیر پر ہوتا ہے یا مرفوع اور موقوف دونوں، یا مرفوع، موقوف اور مقطوع تینوں پر ہوتا ہے؟ اس بارے میں درج ذیل آراء پائی جاتی ہیں۔

پہلا قول: بعض علماء کے نزدیک تفسیر بالماثور صرف وہی تفسیر ہے جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہو۔ صحابہ و تابعین کے استنباطات و اجتہادات تفسیر بالماثور میں شامل نہیں ہیں۔[4] صحابہ و تابعین کے وہ تفسیری اقوال جن میں ان کے ذاتی اجتہاد کو دخل نہ ہو بلکہ سماع پر محمول ہوں، تو ایسے اقوال تفسیر بالماثور میں شامل ہیں۔ علوم القرآن پر لکھنے والے معروف عالم لطفی الصباغ[5] اور ڈاکٹر محمد محی الدین بلتاجی کی یہی رائے ہے۔[6]

دوسرا قول: بعض علماء کے نزدیک تفسیر بالماثور وہ تفسیر ہے جو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہو۔ ان کے نزدیک تابعین کی تفسیر اس میں شامل نہیں ہے۔ البتہ ایسے کبار تابعین جنہوں نے صحابہ سے براہ راست تفسیر سیکھی ہو، ان کی

تفسیر، تفسیر بالماثور میں شامل ہے۔ان علماء کے ہاں تابعین کی تفسیر اس لیے ماثور نہیں کیونکہ ان کے تفسیری اقوال اجتہادات اور اسرائیلیات پر مشتمل ہیں۔[7]

تیسرا قول: تیسرا قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے باسند روایت شدہ تمام تفسیری ذخیرہ کو نقل کرنا تفسیر بالماثور ہے۔[8]

تجزیہ : ماثور کا معنی منقول ہے، لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین سے منقول تمام احادیث و آثار تفسیر بالماثور میں شامل ہیں۔ جو حضرات تابعین کی تفسیر کو تفسیر بالماثور میں شامل نہیں سمجھتے، دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تابعین کی تفسیر حجت نہیں۔ جمہور ائمہ و محدثین کی بھی یہی رائے ہے کہ تفسیر بالماثور میں اقوال تابعین شامل ہیں۔[9] اور لغت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔[10]

نیز تفسیر بالماثور کے مصنفین کا تعامل بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ تفسیر تابعین کو ماثور میں شمار کرتے ہیں، جیسا کہ تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر میں تابعین کے اقوال بکثرت موجود ہیں۔ البتہ ان اقوال کی حجیت یا عدم حجیت الگ مسئلہ ہے، ان دونوں چیزوں میں خلط مبحث کی کوئی ضرورت نہیں۔

تفسیر بالماثور کا مفہوم

قرآن مجید کی تفسیر کا پہلا اسلوب (رجحان) تفسیر بالماثور'' کے نام سے مشہور ہے، اسے ہی عربی میں تفسیر بالروایۃ یا تفسیر بالنقل[11] اور اردو میں ماثوری یا اثری، یا روایتی یا نقلی اسلوب کہتے ہیں۔ استاد امین الخولی لکھتے ہیں:

"پہلی چیز جو تفسیر کی صورت میں ظاہر ہوئی وہ مبنی بر روایت تھی، جسے تفسیر ماثور یا تفسیر اثری کہتے ہیں، اس لیے علماء حدیث و روایت ہی وہ پہلے حضرات ہیں جو تفسیر کے میدان میں نمایاں نظر آتے ہیں[12]

یعنی اس اسلوب کے بانی و مؤسس محدثین اور راوی حضرات ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اسی اسلوب کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"مفسرین کی مختلف جماعتیں ہیں۔ ایک جماعت (تفسیر میں) آیات سے مناسبت رکھنے والے آثار روایت کرتی ہے۔ خواہ وہ مرفوع حدیث ہو یا موقوف، کسی تابعی کا قول ہو یا اسرائیلی روایت۔ یہ محدثین کا مسلک ہے[13]

ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کے نزدیک تفسیر بالماثور:

قرآن مجید کی اثری تفسیر چار امور پر مشتمل ہے: قرآنی آیات، احادیث رسول اللہ، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور اقوال تابعین رحمہم اللہ[14]۔

اس سے قبل کہ تفسیر بالماثور اور اس کے متعلقات کو بیان کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً اس اسلوب کے تاریخی ارتقاء کو بیان کیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ تفسیر بالماثور کی اقسام کیسے وجود میں آئیں اور ان پر اس اسلوب کا اطلاق کیسے ہوا؟:

تفسیر بالماثور کا ارتقاء

تفسیر بالماثور کے ارتقاء کو درج ذیل مراحل کی صورت میں بیان کیا جاتا ہے:

پہلا مرحلہ: عہد رسول اللہ ﷺ

حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں قرآنی آیات کے فہم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب مشکلات پیش آتیں تو آپ ﷺ ان کی توضیح فرمادیا کرتے تھے۔اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسی توضیحات و تشریحات کو ایک دوسرے تک منتقل کر دیتے تھے۔

دوسرا مرحلہ: عہد صحابہ رضی اللہ عنہم

جب حضور ﷺ اس دنیائے فانی رحلت فرماگئے تو خالص صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور شروع ہوگیا۔اس دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید کے معانی و مطالب میں دشواریوں کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ لیا کرتے تھے۔اس طرح تفسیر سے متعلقہ اقوال رسول اللہ ایک صحابی سے دوسرے تک منتقل ہوتے جاتے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف زبانی طور پر تفسیری روایات ایک دوسرے تک منتقل ہوتی رہتی تھیں، بلکہ جدید تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عہد نبوت و عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں احادیث کے متعدد مجموعے کتابی صورت میں تیار کیے جا چکے تھے[15]۔

ظاہر ہے کہ ان مجموعوں میں قرآنی آیات کی تفسیر کے بارے میں بھی احادیث ضبط تحریر میں آچکی ہوں گی۔ یہاں اس بات کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ قرآن مجید کے پہلے مفسر حضور ﷺ اور پہلی تفسیر آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ ہے۔ محققین حضرات نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ہر حدیث کی بنیاد قرآن مجید میں موجود ہے۔بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ ہر قرآنی لفظ ایک باب ہے اور احادیث رسول اللہ اللہ اس کی مختلف مباحث ہیں، جیسے لفظ زکوۃ، صلوۃ، صدقہ، حج، عمرہ، ہجرت، قتال فی سبیل اللہ اور شہادت (گواہی) وغیرہ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے صاحب علم حضرات بھی موجود تھے جو احادیث رسول اللہ کی روشنی میں تفسیر قرآن کرتے، جسے بعد میں "تفسیر القرآن باألاحادیث" کہہ کر تفسیر بالماثور کی دوسری قسم قرار دیا گیا۔اور یہی حضرات اپنی آراء سے بھی تفسیر کرتے۔ان ہی آراء کو بعد میں تفسیر القرآن باقوال الصحابہ رضي اللہ عنھم "کہہ کر تغیر بالماثور کی تیسری قسم متعین کر لیا گیا۔

تیسرا مرحلہ: عہد تابعین رحمہم اللہ

تابعین حضرات کا جہاں تک تعلق ہے تو ان میں ایسے علماء کرام پائے گئے جنہوں نے تفسیر قرآن کا خاص اہتمام کیا اور احادیث رسول اللہ ﷺ وآثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے تفسیر کے متعلق جس قدر مواد ملا اسے اکھٹا کر لیا اور اس مواد پر اپنی رائے واجتہاد کا اضافہ کر دیا[16]۔یہی اضافہ بعد میں تفسیر بالماثور کی ایک مستقل قسم کا سبب بنا "تفسیر القرآن باقوال التابعین رحمھم اللہ "کا نام دیا گیا۔تابعین حضرات نے اسی حد تک اپنی رائے واجتہاد کا اضافہ کیا جس قدر قرآن مجید میں ابہام پیدا ہو چکا تھا۔ جس کا سبب عہد رسول اللہ ﷺ وعہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے دوری تھا۔[17]

چوتھا مرحلہ: تبع تابعین رحمہم اللہ

اور جہاں تک تبع تابعین کا تعلق ہے تو انہوں نے تابعین کے (تفسیری) فرمودات کو روایت (بیان) کیا اور قرآن کے مطالب و مفاہیم میں جس قدر ابہام زیادہ ہو گیا تھا اس کے مطابق انہوں نے اسے زائل کرنے کی کوشش کی۔ پس اسی اسلوب پر یہ کام چلتا رہا اور ہر آنے والا طبقہ اپنے سے پہلے طبقہ سے تفسیری اقوال روایت کرتا رہا[18]۔

تبع تابعین رحمہم اللہ نے تابعین کے اقوال پر جو اضافہ کیا یہی اضافہ اصل میں تاریخ تفسیر کے مصادر میں "تفسیر القرآن باقوال تبع التابعین رحمہم اللہ " کے نام سے موسوم ہے اور تفسیر بالروایت یا بالماثور کی ایک قسم یا ایک اسلوب کے نام سے معروف ہے۔

عہد نبوت سے عہد تبع تابعین تک تفسیر بالماثور کا مختصر سا ارتقائی جائزہ۔ان چار ادوار (مراحل طبقات) میں جو بھی تفسیری کام ہوا ہے، اس کام کو بعد میں تفسیر بالماثور یا تفسیر بالمنقول یا بالروایت کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ جو کام عہد نبوت میں احادیث رسول ﷺ کی صورت میں سامنے آیا اسے "تفسیر القرآن بالأحادیث النبویۃ" جو آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی صورت میں ہوا اسے "تفسیر القرآن باقوال الصحابۃ" جو تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کے کام کی صورت میں وجود میں آیا اسے تفسیر القرآن باقوال التابعین " اور باقوال تبع التابعین " کہا گیا۔ اور تغیر میں اہل کتاب سے جو مواد نقل کیا گیا اسے " تفسیر القرآن بالروایات الاسرائیلیۃ" کا نام دے دیا گیا۔ تبع تابعین کے عہد والوں نے اپنے سے پہلے والے تفسیری مواد کو حاصل کر کے بڑی بڑی تفاسیر میں یکجا کر دیا جیسے تفسیر طبری وغیرہ۔

تفسیر بالماثور کی نقل میں ضعف کے اسباب

تفسیر بالماثور کی نقل وروایت میں ضعف کے اسباب تین تھے:

- موضوع روایات کی بھرمار۔
- اسرائیلیات کی آمیزش۔
- حذف اسانید

ذیل میں ہر ایک سبب کی مختصر تشریح کی جاتی ہے:

تفسیر قرآن میں موضوع روایات کا آغاز

تفسیر قرآن میں وضع کا آغاز حدیث کے ساتھ ہی ہوا۔اس لیے کہ ابتدائی مرحلہ میں حدیث و تفسیر کے مابین کوئی فرق وامتیاز تھا ہی نہیں۔ جس طرح احادیث نبویہ صحیح بھی ہیں، حسن بھی اور ضعیف بھی، اور ان کے رواۃ (رجال) میں سے بعض ثقہ ہیں اور بعض مشکوک ووضاع۔اسی طرح تفسیری روایات اور ان کے نقل کرنے والے مفسرین کا بھی یہی حال ہے

وضع کا آغاز اھ میں اس وقت ہوا جب مسلمانوں میں سیاسی اختلافات کی بنیاد پڑی اور وہ شیعہ خوارج اور عوام کے فرقوں میں بٹ گئے۔اس دور میں ایسے اصحاب بدعت نے سر نکالا جنہوں نے اپنی اختراع کردہ بدعات کو رواج دینے کے لیے تعصب سے کام لینا شروع کیا۔ بعض لوگوں نے مسلمانوں کو دام فریب میں پھنسانے اور گمراہ کرنے کے لیے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا مگر اندر سے وہ کافر ہی رہے۔انہوں ں نے اپنی اغراض خبیثہ کو بروئے کار لانے کے لیے جھوٹی روایات گھڑنے کا مذموم دھندا شروع کر دیا۔ اس جھوٹی حدیث گھرانے کو وضع حدیث کا نام دیا جاتا ہے۔ روایات کو گھڑنے کے کئی اسباب تھے جسے گروہی تعصب، سیاسی مذہب ومسلک، جذبہ انتظام وغیرہ۔

تفسیر موضوع کی قدر وقیمت: تفسیر موضوع کو اگر اس کی ذاتی حیثیت سے دیکھا جائے اور اس کے اسنادی پہلو سے صرف نظر کر لیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ علمی قدر وقیمت سے بالکل ہی عاری نہیں ہوتی۔اس لیے کہ تفسیر میں وضع کا

کس قدر بھی عمل دخل کیوں نہ ہو وہ محض اسند وسند و روایت رو پر اثر انداز ہو گا۔ جہاں تک تفسیر کا تعلق ہے وہ ہمیشہ ظن و تخمین پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ ایک علمی اجتہاد کا نتیجہ ہوتی ہے، جس کی ایک اپنی قدر و قیمت ہوتی ہے،

مثلاً: جو شخص تفسیر کے سلسلے میں کوئی بات وضع کر کے اسے حضرت علی یا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جانب منسوب کرتا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ ایک قول کی ذمہ داری کا بوجھ ان کے کندھوں پر رکھتا ہے۔ بخلاف ازیں! یہ اس کے ذاتی فکر و اجتہاد کا نتیجہ ہوتا ہے جو بسا اوقات صحیح ہوتا ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ وہ اپنی رائے کو مقبول عام بنانے کے لیے اسے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب منسوب کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت علی یا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جانب منسوب تفسیر علمی اہمیت سے عاری نہیں ہوتی۔ البتہ جو قابل اعتراض پہلو ہے وہ صرف یہ ہے کہ ان کی نسبت حضرت علی یا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جانب درست نہیں۔ ن بات یہ ہے کہ وضعی تفسیر خود ساختہ وہم و خیال پر مبنی نہیں۔ بخلاف ازیں! اس کی ایک علمی اساس ہے۔ اور تفسیر کا طالب علم اس کے درس و مطالعہ سے دلچسپی لیتا ہے۔ اس کے پہلو بہ پہلو اس کی اپنی حق ایک ذاتی اہمیت ہے تاہم وہ اسنادی قدر و قیمت کی حامل نہیں[19]۔

اسرائیلیات کی آمیزش: اسرائیلیات ان روایات کو کہتے ہیں جو اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں۔ کتب تفسیر میں ان روایتوں کے دخول و تسرب کی وجہ یہ ہے کہ: بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ پہلے اہل کتاب کے مذہب سے تعلق رکھتے تھے، بعد میں جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی تو انہیں قرآن کریم میں پچھلی امتوں کے بہت سے وہ واقعات نظر آئے جو انہوں نے اپنے سابقہ مذاہب کی کتابوں میں بھی پڑھے تھے، چنانچہ وہ قرآنی واقعات کے سلسلے میں وہ تفصیلات مسلمانوں کے سامنے بیان کرتے تھے، جو انہوں نے اپنے پرانے مذہب کی کتابوں میں دیکھی تھیں۔ یہی تفصیلات اسرائیلیات کے نام سے تفسیر کی کتابوں میں داخل ہو گئی ہیں[20]۔

اسرائیلیات کے اس عمل دخل کی مزید توضیح علامہ ابن خلدون کے اس بیان سے ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

منقول (ماثور) تفسیر کے بارے میں متقدمین (پہلے علماء) نے تمام باتوں کو جمع کر کے محفوظ کر دیا، مگر ان کی کتب اور منقولات رطب و یابس (صحیح و غلط) اور مقبول و مردود (صحیح و ضعیف). سب ہی قسم کی باتوں پر مشتمل ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عرب نہ تو اہل کتاب تھے اور نہ ہی اہل علم۔ ان پر تو بداوت (دیہاتی پن، سادگی) اور امیت (ناخواندگی) چھائی ہوئی تھی اور جب کبھی انہیں اور جب کبھی انہیں ایسی چیزوں کے جاننے کا شوق پیدا ہوتا جنہیں فطرہ انسانی نفوس جاننا چاہتے ہیں مثلاً: کائنات کے وجود میں آنے کے اسباب، تخلیق عالم کی ابتداء اور اسرار وجود وغیرہ، تو وہ ان باتوں کے بارے میں اہل کتاب (یہود و نصاری) سے دریافت کرتے اور ان سے استفادہ کرتے۔ یہ اہل کتاب، اہل تورات یہودی اور ان یہودیوں کے دین کے پیروکار نصرانی تھے۔ عربوں کے ساتھ رہنے والے اہل تورات بھی عربوں کی طرح بدو (دیہاتی) تھے، اور ان امور (جن کی بابت ان سے اہل عرب پوچھا کرتے) سے متعلق ان کی معلومات ویسی ہی (سطحی اور بے اصل) تھیں، جیسی اہل تورات کے عوام کی تھیں اور ایسے لوگوں میں بڑا طبقہ قبیلہ حمیر کا تھا، جو یہودی مذہب اختیار کر چکا تھا۔ پھر جب یہ لوگ اسلام لائے تو ان چیزوں سے متعلق اپنے سابقہ علم (معلومات) پر قائم رہے جن چیزوں کا شرعی احکام سے کوئی تعلق نہ تھا کہ جن کے لیے وہ احتیاط برتا کرتے تھے مثلاً: ابتداء تخلیق کی اخبار،

تاریخی واقعات وحادثات اوراس نوعیت کے دیگر امور یہ مسلمان ہونے والے اہل کتاب) کعب الاحبار (۳۲۴ھ)، وھب بن منبہ (م ۱۰ھ) عبداللہ بن سلام (م ۴۳ھ)، (ابن جریج (م ۱۵۰ھ یا ۱۵۶ھ)[21] اور تمیم الداری[22] وغیرہ تھے۔ چنانچہ ایسے امور سے متعلق کتب تفسیر میں ان لوگوں کی روایت کی کثرت ہے جو صرف ان ہی لوگوں کے اقوال ہیں (یعنی ان کی کوئی سند نہیں)۔ چونکہ یہ خبریں احکام سے تعلق نہیں رکھتی تھیں، جو اپنے واجب العمل ہونے کی بنیاد پر صحت کی تحقیق کے اہتمام والتزام کا مطالبہ کرتیں، اس لیے مفسرین نے ان کی صحت کو پرکھنے میں) تساہل سے کام لیا اور ایسی منقولات (روایات) سے اپنی کتب تفسیر کو بھر دیا جن کا سرچشمہ (ماخذ)، جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، وہ اہل تورات تھے جو دیہات میں رہتے تھے اور خود یہ لوگ اپنی جن باتوں کو روایت کرتے تھے ان کی تحقیق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے، لیکن چونکہ (اپنے) دین اور ملت (مذہبی گروہ) میں وہ بلند مقام و مرتبہ پر فائز تھے۔ اس لیے انہیں شہرت اور بڑی قدر و منزلت حاصل تھی، جس کی وجہ سے ان کی روایات کو اس وقت سے ہی قبول کیا جانے لگا[23]۔ علامہ ابن خلدون کے اس بیان سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں: یہود و نصاری سے منقول (مروی) اخبار (روایات) کو عربوں نے یہود سے قبل از اسلام جاہلیت میں نانہ سہ بعد از اسلام یہ اخبار عربوں کے اذہان میں محفوظ ہی تھیں کہ اسلام آگیا اور وہ اس میں داخل ہو گے۔ تورات و انجیل سے ماخوذ شدہ اخبار کے راوی وہب بن منبہ اور عبداللہ بن سلام وغیرہ ہیں[24]۔

اسرائیلیات: عربوں میں ناخواندگی و بدویت کا غلبہ اور اس کے ساتھ ان کا وہ فطری شوق معرفت جو ہر انسان کی فطرت میں پایا جاتا ہے کہ دنیا کی ساری چیزیں کیونکر بنیں؟ پیدائش کی ابتداء کیسے ہوئی اور وجود کے اسرار کیا ہیں؟ ظاہر ہے کہ وہ یہ تمام امور اہل کتاب سے دریافت کرتے تھے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ان امور کا چونکہ دینی احکام سے کوئی تعلق نہ تھا، اس لیے مفسرین حضرات نے ایسے امور سے متعلقہ مرویات کو بغیر تحقیق و تنقید کے قبول کیا اور اپنی کتب میں تفسیر ابیان کر دیا۔

اسرائیلی روایات کا تفسیر پر اثر: اسرائیلی روایات جن کو مفسرین نے اہل کتاب سے لے کر ان کی روشنی میں قرآن عزیز کی شرح اور توضیح کی تھی، تفسیر قرآن پر بہت برا اثر ڈالا۔ کیونکہ معاملہ وہیں ختم نہیں ہوا جہاں عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھا۔ اس میں خاطر خواہ ترقی ہوئی اور روایت کرنے والوں نے تمام سنی سنائی باتوں کو ان میں شامل کر دیا۔ قطع نظر اس سے کہ وہ جھوٹی ہوں یا سچی۔ اس نوعیت کی تفسیر میں بہت سے من گھڑت خیالی افسانے بھی راہ پا گئے۔ ان کے نتیجہ میں ایسی کتب تفسیر کا قاری یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ ان کتب میں مندرج کوئی بات بھی معیاری نہیں۔ حق بات تو یہ ہے کہ اسرائیلی روایات کی بھرمار کرنے والے مفسرین نے قرآن کی شرح و توضیح کرنے والوں کی راہ میں کانٹے بو دیئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان جھوٹے من گھڑت افسانوں کے سیلاب میں بکثرت احادیث صحیحہ کو بھی بہالے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوا کہ ان میں سے بعض افسانوں کی نسبت چونکہ ان اہل کتاب کی جانب درست نہ تھی جو حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ لہذا بعض لوگوں نے ان مسلم اہل کتاب کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا[25]۔

حذف اسناد: تفسیر ماثور کے اسباب ضعف میں سے تیسرا اور آخری سبب حذف اسناد ہے۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل امور کو پیش رکھنا ضروری ہے:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ جو راویت بھی کسی سے اخذ کرتے اس میں صحت کا خیال رکھتے تھے۔ جب تک ان کو کسی روایت کے صحیح ہونے کا یقین نہیں ہو جاتا تھا وہ اس کو آگے نہیں پہنچاتے تھے۔ مگر وہ سند کے بارے میں پوچھنے کے عادی نہ تھے اور اس کی وجہ ان کی امانت وعدالت کو وتھی۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو یہ معروف ہے کہ وہ شہادت یا حلف لئے بغیر کوئی روایت قبول نہیں کرتے تھے تو اس کی وجہ مزید پختگی اور تاکید ہے عدم اعتماد نہیں۔ مروی ہے کہ ابی بن کعب نے ایک حدیث روایت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کی تائید میں شہادت پیش کیجئے۔ چنانچہ چند انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم نے یہ حدیث نبی اکرم اللہ سے سنی ہے۔ یہ سن کر جناب فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے آپ کو متہم نہیں کیا بلکہ میں تو صرف تائید چاہتا تھا"[26]۔

جب تابعین کا دور آیا اور وضع حدیث کا چرچا ہونے لگا تو سند کے بغیر کسی روایت کو قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ جب سند میں کوئی غیر ثقہ راوی ہوتا تو اس کی روایت کو رد کر دیا جاتا تھا۔ امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں معروف تابعی ابن سیرین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "پہلے استاد کے بارے میں دریافت نہیں کیا جاتا تھا جب فتنہ کا آغاز ہوا تو اسناد ورجال کے بارے میں پوچھا جانے لگا[27]۔ عصر تابعین رحمہم اللہ میں معاملہ یوں ہی رہا۔ جو تفسیر بھی آنحضور یا صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کی جاتی، اس کے ساتھ سن مذکور ہوتی تھی۔ عہد تابعین رحمہم اللہ کے بعد ایسے لوگ منظر عام پر آئے جنہوں نے تفسیر قرآن سے متعلق تمام مواد کو یک جا کر دیا۔ اس میں احادیث رسول صلی اللہ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کے اقوال وآثار سندوں کے ساتھ مذکور تھے، مثلاً: سفیان بن عیینہ، وکیع بن الجراح اور دیگر۔

علماء کی تفاسیر: پھر ایسے لوگ منظر عام پر آئے جنہوں نے کتب تفسیر تالیف کیں اور اسانید کو حذف کر کے تفسیری اقوال کو ان کے قائلین کی جانب منسوب نہ کیا۔ چونکہ انہوں نے صحت کا التزام نہیں کیا تھا، اس لیے صحیح وسقیم اقوال باہم مل جل گئے۔ اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ جس شخص کو بھی کوئی قول ملتا، وہ اسے نقل وروایت کر دیتا۔ پھر بعد میں آنے والے یہ سمجھتے ہوئے بے خطر اس کو نقل کر دیتے کہ یہ صحیح اصل پر مبنی ہے۔ ایسا کرتے وقت وہ سلف کی کسی تحریر کو تلاش نہیں کرتے تھے[28]

حق بات یہ ہے کہ اسناد کا حذف کرنا تمام اسباب ضعف سے زیادہ خطرناک تھا۔ حذف اسناد کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص بھی ان کتب تفسیر کو دیکھتا ان کے مندرجات کو صحیح خیال کرتا۔ اکثر مفسرین ان اسرائیلی روایات من گھڑت واقعات کو صحیح سمجھ کر نقل کرنے لگے۔ حالانکہ وہ عقل ونقل دونوں کے خلاف تھے۔

اس میں شک نہیں کہ وضع حدیث اور اسرائیلی روایات دونوں خطرناک ہیں۔ مگر حذف اسناد کا خطرہ ان دونوں سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ اسناد ذکر کرنے کی صورت میں اس خطرہ کی تلافی ممکن تھی۔ مگر حذف اسناد نے ہر چیز کو تاریک کر دیا۔ کاش کہ جن لوگوں نے اسانید کو حذف کر کے مختلف اقوال وآثار کو جمع کیا تھا وہ ابن جریر طبری کی طرح ہر قول کو سند کے ساتھ ذکر کرتے۔ ابن جریر نے اپنی مرویات میں اگرچہ صحت کا التزام نہیں رکھا مگر ان کا عذر یہ ہے کہ انہوں نے ہر روایت کی سند بیان کر دی ہے۔ علمائے سلف یہ سمجھتے تھے کہ جب وہ کسی روایت کی سند ذکر کر دیں تو ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ عہد سلف میں

راویوں کے حالات عام طور سے معروف تھے۔اور روایت کے صحیح وضعیف ہونے کا پتہ اس سے چلتا ہے۔یہ ہیں اسباب سہ گانہ جن پر تفسیر ماثور کا ضعف مبنی ہے۔یہ تینوں اسباب یکساں طور سے تفسیر پر اثرانداز ہوئے[29]۔

حوالہ جات

1 الشیرازی،ابوطاہر، محمد بن یعقوب بن محمد، فیروزآبادی،القاموس المحیط، ص 489/1

2 ابراہیم انیس، محمد خلف اللہ احمد، المعجم الوسیط، (مجمع اللغۃ العربیۃ مکتبۃ الشروق الدولیۃ)، مادۃ ''أثر''

3 ایضاً

4 یوسفی، عبید الرحمٰن محسن، تفسیر قرآن کے اصول و قواعد، ص60

5 الصباغ، محمد بن لطفی، لمحات فی علوم القرآن واتجاہات التفسیر، (المکتب الاسلامی 1440،) ص180

6 محسن، عبد الحمید، دراسات فی التفسیر و أصولہ، (دار الفکر بیروت،) ص46

7 مناع القطان، مباحث في علوم القرآن، (مکتبۃ وھبۃ، 2000،) ص347

8 تفسیر التابعین، محمد علي الحضیري، (دار الباب، الریاض، 1442ھ)، ص 32/1

9 الزرقانی، محمد عبد العظیم، مناہل العرفان فی علوم القرآن، (دار ابن حزم س ن)، ص12/2

10 زرکشی، بدالدین محمد بن عبداللہ، البرھان فی علوم القرآن ، (دار الفکر بیروت لبنان)، ص336

11 الصابونی، محمد علی، التبیان في علوم القرآن ، (دار عمر بن الخطاب س ن)، ص 85۔

12 الخولی، امین مقالہ تفسیر، درار دو دائرہ معارف اسلامیہ (جامعہ پنجاب لاہور،)، ص492

13 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الفوز الکبیر في أصول التفسیر، مترجم مولانا سید محمد مہدی الحسنی و مولانا حبیب الرحمن صدیقی کاندہلوی

14 التفسیر والمفسرون از محمد حسین ذہبی، ص1/154

15 مقدمہ صحیفہ ہمام بن منبہ از ڈاکٹر حمید اللہ، دراسات في الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ از ڈاکٹر مصطفٰی اعظمی، ص84

16 الذہبی، ڈاکٹر محمد حسین، التفسیر والمفسرون شارع الجمہوریہ عابدین، (القاھرہ، مصر)، ص 1/53

17 التفسیر والمفسرون، ص1/53

18 التفسیر والمفسرون، ص1/53

19 لتفسیر والمفسرون، ص1/164

20 معارف القرآن از مفتی محمد شفیع، ص1/52

21 التفسیر والمفسرون، ص 1/182

22 تفسیر سفیان بن عینیہ، ص 83

23 مقدمۃ ابن خلدون، ص 91-490

24 تفسیر سفیان بن عینیہ، ص 84

25 التفسیر والمفسرون، ص 1/179

26 الاسلوب الحدیث، ص 1/10

27 صحیح مسلم، بشرح النووی، مقدمہ از امام مسلم

28 الاتقان، ص 2/190

29 التفسیر والمفسرون، ص 1/202